

نوآبادیاتی عہد اور ڈپٹی نذیر احمد کا سماجی شعور

Colonial Era and the Social Consciousness of Deputy Nazir Ahmad

Salma Zubair

Assistant Professor (HoD Urdu), Govt Graduate College Bhalwal, Sargodha

salma.mohsin2011@gmail.com

KEYWORDS

Conventions Fiction
Reformative
Story
Qualitative
Methodology
Social
Political
Economical
Colonial

DATES

Received 02-11-2025
Accepted 22-11-2025
Published 31-12-2025

QR CODE



ABSTRACT

Deputy Nazir Ahmad is pioneer and Founding fiction writer of “Reformative Story telling” in urdu literature. According to contemporary fiction Nazir Ahmad is not a fiction writer and his novels can’t be recalls as Novel in Modern and strict manner because they do not fulfil the aspect’s modern novel standards .But this is truth that Deputy Nazir Ahmad’s novel present social realities of colonial period. At that tough time Muslims of sub continent faced identity crises and discouragement though Nazir Ahmad’s nobel emerged as a subtle medium to critique colonial imperialism. In his different works he advocated for women’s education and modern reinterpretations of Islamic conduct. There for he transcended official briefs by embedding a reformist agenda inspired by Sir Syed Ahmed Khan in colonial rule by East India Company. While literary experts appreciate progressive and Orientalist point of view in his fiction works and also his approach to Modernism. His novels also present anti-colonial thought and resistant against British Cultural epistemology. He discuss and recreate common people’s lives and really serious questions of colonial Muslim regime.

<https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/182>

تلخیص:

ڈپٹی نذیر احمد اردو ادب میں اصلاحی کہانی نویسی کے بانی اور اولین ناول نگار تصور کیے جاتے ہیں۔ جدید افسانوی تنقید کے مطابق بعض ناقدین انہیں مکمل معنوں میں ناول نگار تسلیم نہیں کرتے اور ان کی تصانیف کو جدید اور سخت معیارات کے مطابق ناول قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ جدید ناول کے تمام فنی تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول نوآبادیاتی دور کی سماجی حقیقتوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ اس کٹھن دور میں برصغیر کے مسلمان شناخت کے بحران اور احساس محرومی کا شکار تھے اور نذیر احمد کے ناول ایک لطیف وسیلے کے طور پر ابھرے جن کے ذریعے انہوں نے نوآبادیاتی سامراج پر تنقید کی۔ اپنی مختلف تصانیف میں انہوں نے خواتین کی تعلیم اور اسلامی طرز حیات کی جدید تعبیر کی وکالت کی۔ اس طرح انہوں نے ایٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں سرسید احمد خان کے اصلاحی نظریات سے متاثر ہو کر ایک اصلاحی ایجنڈا پیش کیا جو سرکاری بیانیے سے آگے بڑھ کر تھا۔ ادبی ماہرین ان کے افسانوی کام میں ترقی پسند اور مستشرقانہ نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ جدیدیت کی جھلک کو بھی سراہتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں نوآبادیاتی فکر کے خلاف مزاحمت اور برطانوی ثقافتی علییات کے مقابل ایک تنقیدی شعور بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے عام لوگوں کی زندگیوں کو موضوع بنایا اور نوآبادیاتی مسلم معاشرے سے جڑے سنجیدہ مسائل کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔

اردو میں کلام منثور کی روایت قطب شاہی ریاست کے پروردہ اور سترہویں صدی کے نہایت اہم تخلیقی کار اور شاعر ملا وجہی⁽¹⁾ (متوفی 1659) کی نو طرز مرصع سے آغاز پاتی ہے اور پھر نثری داستانوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو تحسین کی "نو طرز مرصع" کی تخلیق کے بعد اپنے موضوعی، فنی اور تکنیکی وسعت کے ایک اور دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ فی زمانہ تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اردو میں ناول کی موجود روایت کا سفر لگ بھگ ڈیڑھ صدی یعنی ایک سو پچاس برسوں کی مسافت طے کر چکا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ابتدائی نذیر کا زمانہ تصنیف 1869 ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو میں ناول داستان کی ترقی یافتہ ہیئت ہے مگر اپنے مجموعی ثقافتی اور تہذیبی پس منظر اور انسان مرکز حیاتی فضا نے اس صنف کو اپنے آپ میں منفرد اور مکمل بنایا ہے اور آج کے ناول اور قدیم عہد کے داستانی ادب کے مابین کسی نوعیت کا اشتراک تلاش کرنا سوائے وقت کے ضیاع کے اور کچھ بھی نہیں ہوگا کہ اردو میں ناول نگاری نے جس طرح معاشرے اور انسان کے درمیان موجود متفرق رشتوں کو ان کی تفصیلات سمیت نئی تہذیب کے ساتھ بیان کیا ہے وہ تخلیقی تفاعل اردو کی حد تک کسی دوسری نثری صنف کو میسر نہیں ہوا۔ اردو میں ناول نگاروں نے داستان کی تخیلاتی فضا کی جگہ حقیقت پرستی کے دائرے تصنیف کیے ہیں۔ اردو ناول نے حقیقی دنیا سے اپنے ارتباط کو بارہا اور منظم اشکال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اردو کی حد تک ناول اور داستان کے باہمی اختلاف و اشتراک کے حوالے سے احسن فاروقی کہتے ہیں:

"ناول اور داستان کے اجزائے ترکیبی کی بنیاد میں فرق نہیں۔ صرف زمانے اور انسانی شعور کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت بدل گئی۔ ناول کتنی ہی حقیقی کیوں نہ ہو وہ ہرگز دل چسپی نہیں ہو سکتی جب تک اس میں تخیل کی آمیزش نہ ہو اور کوئی داستان ایسی دکھائی نہیں دیتی جس میں تخیل کی فراوانی کے ساتھ کچھ نہ کچھ حقیقت نہ ملی ہو۔" (2)

اس طرح ہمیں دو بنیادی لوازمات کا واضح احساس ہوتا ہے۔ اول یہ کہ ناول انسانی ذہن اور سماجی ترقی کا نثری پیرائے میں بیان ہے۔ کلاسیکی زمانے کا اجتماعیت پرست انسان اپنی اجتماعی زندگی کو داستان کی صورت میں بیان کرتا تھا چونکہ اس عہد کا انسان مشین کے دھوئیں اور بازار کی پیچیدگی سے نبرد آزما نہیں ہوا تھا اس لیے اس کی زندگی میں فارغ البالی اور اجتماعی زندگی کے نقوش زیادہ پختہ تھے۔ اسی انسانی سماجی تنظیم کی وجہ سے اس عہد کے ادب کا ایک نمائندہ داستان میں بھی ویسی ہی اجتماعیت پرستی، فارغ البالی، داستانی کرداروں سے عشق و عاشقی اور سب سے بڑھ کر تخیل کی فراوانی تھی۔ اس کے برعکس نئے عہد کا انسان اپنی زندگی کے کرب کا سامنا کرتے ہوئے تخیل کی عیش پرستی کے بجائے حقیقت کی تلخی کا سامنا کرتا ہے اور حقیقت کے اسی تناظر کو اپنے ادب میں بھی بیان کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ناول میں ایک طرف تخیل کے سروکار کچھ کم اور حقیقت پرستی سے روابط زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں داستان کی رومانوی اور تخیلاتی دنیا سے ناول کی ترش و تلخ فضا تک رسائی میں وہاں کے سیاسی سماجی اور معاشی تعاملات کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ داستان سے ناول تک کے اس ادبی مسافت نے اپنے اثرات سے ایک نیا جہاں تخلیق کیا۔ ایسا جہاں جو انگریز راج کے اثرات سے بھرا ہوا تھا۔ انگریز استعمار نے ہندوستان میں آمد کے ساتھ ہی اس سر زمین کو اپنی نوآبادیاتی ضروریات کے تحت بدلنا شروع کر دیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ہندوستانی ثقافت کو رد کیا۔ یہاں کے تعلیمی نظام کو فرسودہ کہا اور اس سب کی جگہ اپنی ضرورت کے مطابق جدید علوم کو فروغ دیا۔ عمران شاہد بھنڈرا کا کہنا ہے کہ "مغربی دانشوروں کے نزدیک دنیا سے مراد ہمیشہ مغربی دنیا ہی ہوتی ہے"۔⁽³⁾ گویا مغربی علوم ہی دراصل علوم ہیں اور مغربی حکمرانوں نے اس فکر کی تکمیل کے لیے اپنے نوآبادیاتی غلام خطوں میں اپنی دنیا کے علوم کو فروغ دیا۔ انگریزی نوآبادیاتی استعماری عہدے جدت فکر اور سائنسی استدلال کو فروغ دیا۔ ان کی اس طرح کے حکمت عملی سے ہندوستان بڑے پیمانے پر تہذیبی اور معاشرتی سطح پر متاثر ہوا اور اس سارے عمل میں مخصوص طرز فکر اور انداز نظر نے نہایت تیزی کے ساتھ فروغ پایا۔ انگریزی نوآبادیات کی طرف سے ان کوششوں کو مقامی سطح پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اس عمل کو استعمار کی سازش قرار دیتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ انگریزی نظام کے اثرات کی وجہ سے ہندوستانی سماج بھی پستی کا شکار ہو جائے گا اور اس میں مشرقی رواداری اور گہری شرفیت کی جگہ مغربی دکھاوا اور خالی پن در آئے گا اور یوں طے پایا کہ سرکردہ افراد قوم کی تربیت کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی قوم کے مشرقی نظام حیات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ افروا کش و نمود کے لیے بڑے پیمانے پر اقدامات کیے جائیں۔

انگریزی تہذیب و تمدن سے اختلاف کو واضح کرنے اور ان کے مقابل مشرقی سماجیات کو پالنے پوسنے کا کام سرسید احمد خان نے کیا۔ وہ بظاہر انگریزوں کی کشتی میں سوار تھے۔ ان کی حکومت کو تائید و معاونت فراہم کرتے تھے مگر دوسری طرف اپنی جڑوں کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ مولوی سرسید احمد خان کے اسی عوامی فلاحی منصوبے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ڈپٹی نذیر احمد نے اصلاحی نثر نگاری کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے قصہ گوئی کے فن کی طرف مائل ہوئے۔ مولوی نذیر احمد کے ناول دراصل ناول نویسی کے ان لوازمات سے دور تھے جنہیں ادبی دنیا میں سند کا درجہ حاصل تھا مگر ڈپٹی نذیر احمد کے سامنے ایک خاص مرکز تھا۔ ایسا مرکز جو قومی اور انسانی بھلائی کے لیے سماجی شعور کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی برتر صورتوں کی تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ڈپٹی نذیر احمد کے خیال میں قصہ گوئی میں فنی کاری کے بجائے مقصدیت کی تکمیل بنیادی شے ہوتی ہے۔ ناول نگار کا کام ہے کہ وہ ماورائی تخیلاتی اور رومانوی قصص پر دھیان دینے کی بجائے حقیقت نگاری کو اپنانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ نذیر احمد نے جو ڈھیلے ڈھالے اور سادہ الفاظ کی نسبت سے قصے لکھے ہیں اپنی سماجی حیثیت کے باعث مقصدی ناول نگاری کے میدان میں تسلیم کیے جاتے ہیں۔ منشی پریم چند سے کتنے برسوں پہلے سے ڈپٹی نذیر احمد حقیقت نگاری کے فن سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ وہ اس کی ادبی ضرورت کے بھی قائل تھے اور انہوں نے اس فن کو اپنے قومی شعور کی ساخت اور افزائش میں بڑے پیمانے پر استعمال کیا۔

یہاں تک کہ ابن الوقت تک کے سفر میں ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں حقیقت نگاری کا فن زیادہ پختہ اور لائق تحسین صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مولوی صاحب نے اپنے فکشن میں اپنے زمانے کی مروج رسمیات، معاشرت، تہذیب، سماجیات اور ان حیات افروز عناصر کے نئے احساس و جذبات کی بدلتی ہوئی شکلوں کو ہنرمندی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مظفر عباس مولوی نذیر احمد کو اردو کا اولین ناول نگار تسلیم کرتے ہیں اور ڈپٹی نذیر احمد کے تصنیفی زمانے کو دو نمایاں حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے، یہ کہتے ہیں کہ "مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کے پہلے دور کے محرکات رجحانات اور مقاصد کا محور اُس دور کی اصلاح نسواں کی تحریک ہے" (4) اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد اپنی تحریروں کے وسیلے سے اپنی قومی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم جب ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں ہندوستان میں خاندانی نظام، خانگی احوال، لڑکیوں کو درپیش سماجی معاملات کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نویسی کا دورانیہ درحقیقت اپنی تصنیفی کائنات کے تناظر میں خاندان اور معاشرے کے باہمی ارتباط کو سمجھنے کے لیے مدد کرتا ہے۔

بحیثیت نثر نگار اور ناول نویس نذیر احمد کا بڑا اوصاف یہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں کا خام مواد اپنے معاشرے سے حاصل کرتے ہیں۔ ان قصوں میں پیش کردہ صورتیں، ان کہانیوں کے کردار، خواہ وہ کردار نسائی ہوں یا مرد جنس سے متعلق ہوں مگر ان کا براہ راست ربط معاشرے اور عام آدمی کی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کے ناول مرآة العروس میں عورت کے کئی چہروں جیسے بہو، بیٹی،

ساس، نند وغیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی مسلسل بدلتی ہوئی زندگی اور اس تبدیلی کے ان لڑکیوں کی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات سے بھرا ہوا ہے۔ اس طرح مولوی نذیر احمد مغربی جدیدیت کے شور و غل سے بہت پہلے جدید معاشروں کے مباحث کو اپنی تحریروں میں سمیٹے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عورت کی زندگی کو مرکز بنا کر دیکھ رہے تھے جب مغرب ابھی جہالت کے دگرگوں اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ مراۃ العروس اور۔ بنات النعش نوآبادیاتی نظام حکومت کی جانب سے جاری کی جانے والی اس پالیسی کو بھی پیش کر رہے تھے جو انگریزی استعمار نے اپنائی اور مشرقی عورت کے کردار کا از۔ سر نو جائزہ لینے کی کوشش شروع کی۔ اس طرح ڈپٹی نذیر احمد بحیثیت ادیب اور فن کار کے اپنی اخلاقی ذمہ داری کو بھی پورا کر رہے تھے۔ اپنی اخلاقی ذمہ داری سے فرار کی صورت کوئی بھی فن کار نہ تو اپنے معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اور نہ ہی اپنی تحریر میں کوئی رس یا اثر انگیزی پیدا کر سکتا ہے۔ اس حوالے شمس الرحمن فاروقی کا کہنا ہے:

"جمالیات ہو یا نفسیات کوئی چیز فن کار کو اپنی اخلاقی ذمہ داری سے آزاد نہیں کر سکتی۔ اس کا کام حسن کی تخلیق ضرور ہے مگر نیکی اور صداقت سے قطع تعلق کر کے وہ حسن کو نہیں پاسکتا۔" (5)

اپنی اسی اخلاقی سماجی اور انسانی ذمہ داری کو مکمل کرتے ہوئے نذیر احمد نے اپنی نثر نگاری کے باب میں اصلاح و مقصدیت کو مرکزی سطح پر رکھا ہے اور یہ اصلاح اور مقصد پرستی مصنف کے اپنے عہد کی مبادیات کے عین مطابق ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد جانتے تھے کہ جوں جوں نمائندہ خاندانوں اور گھرانوں کے افراد نئی تعلیم سے بہرہ ور نہیں ہوں گے اس وقت تک ہندوستانی معاشرے کے تمام خاندان اور سارے گھر علم، عقل، سائنس اور دلیل کی اس نئی دنیا سے محروم رہیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ سماج کی ترقی اور بھلائی کے لیے عورتوں اور مردوں کو شانہ بشانہ چلتے ہوئے آگے بڑھنا ہے اور ان نئے حوادث کامل کر اور ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ انگریز استعمار کی طرف سے جاری نئے نظام کا مرد و زن کو باہمی اتحاد اور ایک دوسرے پر اعتماد سے کرنا ہوگا۔ ان کے ناول مراۃ العروس میں معاشرتی اور سماجی بہتری کے لیے جو کوشش کی گئی ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کہتے ہیں:

"مراۃ العروس کا موضوع امور خانہ داری یا مستورات کی اصلاح معاشرت کہا جاسکتا ہے۔ یہ کہانی دہلی کے ایک متوسط شریف مسلمان خاندان کی کہانی ہے" (6)

ڈاکٹر اشفاق محمد خاں نے جن حقائق کی طرف اردو کے قارئین کی توجہ مبذول کی ہے وہ نہایت ضروری نکات ہیں جن کی طرف آج کے مسلمانوں مرد و زن کو توجہ کرنی چاہیے۔ متوسط طبقے کے اعلیٰ خاندان کے رہنے سہنے اور طرز بود و باش کو جیسے ڈپٹی نذیر احمد نے مراۃ العروس میں پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس دہلوی فیملی کے زندگی گزارنے کے رنگ ڈھنگ سے اسی طرح کی صورت حال کو واضح کیا گیا ہے جو اس عہد کے گھروں میں ہوتی تھی۔ کہ کیسے عورت اپنی ضد، جہالت اور توہمات پرستی سے زندگی کا سکون تباہ کرتی ہے۔ کس طرح اپنی کج روی، اپنے غصے اور جذباتی شدت کی وجہ سے عورت ہر لمحہ رنج و الم اور دکھ و یاسیت میں گھری رہتی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے قصوں پر داخلی مزاج اور خارجی بنت کاری میں سطحی تکنیک کا برتاؤ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول کی موضوعاتی ناگزیریت کو کم نہیں کر سکتا۔ ڈپٹی نذیر احمد پورے طور پر جانتے تھے کہ ان کے معاشرے کا انسان کس طرح کے مسائل کا شکار ہے۔ یہ ناول ربط و تسلسل کی کمی کا شکار ہو سکتے ہیں مگر ان میں انسانی مزاج کے کئی حصوں کو ربط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد کا سماجی شعور نہایت پختہ ہے۔ وہ اپنے ارد گرد موجود انسانوں اور انسانی زندگی کے اخلاقی سیاسی سماجی اور ثقافتی تعاملات کو نہایت اچھے سے جانتے تھے اور اسی خوبی سے انہوں نے اسے اپنے نمائندہ ناولوں میں بیان بھی کیا ہے۔ وقار عظیم کی رائے کے مطابق ڈپٹی نذیر احمد کے یہ کردار واعظ اور مصلح کی طرح ناول میں فعال نظر آتے ہیں۔ مراۃ العروس اور بنات النعش کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

"ان دو قصوں نے پہلی مرتبہ ہمیں یہ بات بتائی ہے کہ معاشرے کے اہم مسائل قصے کہانی کے پیرائے میں پیش کیے جاسکتے ہیں اور ان مسائل کو پیش کرتے وقت زندگی کا ایسا پس منظر استعمال کیا جاسکتا ہے جو سادگی کے باوجود مؤثر اور دل نشین ہو سکتا ہے" (6)

نذیر احمد نے اپنی تعلیم دہلی کالج سے مکمل کی۔ دہلی کالج کے نصابات اپنے عہد کے جدید ترین نصابات تھے۔ اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نذیر احمد کی فکری تشکیل میں جدید انگریزی نفسیات اور نوآبادیاتی مزاج کا کس قدر حصہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہی عناصر ڈپٹی نذیر احمد کو ہندوستان میں بڑھتی اس نوجوان نسل میں شمار کرتے ہیں جو شلوار قمیض زیب تن کرتے ہیں مگر سوچتے انگریزی ذہن کے ساتھ ہیں کیونکہ نوآبادیاتی نظام نے انہیں یہ باور کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کہ مغربی ثقافت، تہذیب، ادب حتیٰ کہ ہر حوالے سے مغرب اور مغربی اطوار ہندوستانی تہذیب و معاشرت اور فکر و خیال سے بڑھ کر بلکہ از حد بہتر ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے والا انسان ہی جدید اور مہذب کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ نذیر احمد بھی انگریزی حکمرانوں کے طرز معاشرت کو مثالی تسلیم کرتے ہوئے، اسے اپناتے ہیں اور ہندوستانی ماضی، حال غرض مستقبل سے لا تعلق ہو کر اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ مراۃ العروس کے ایک منظر میں اصغری تعلیم دیتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ کے حق میں بولتی ہے اور اس ذکر میں دہلی کے تخت سے سبکدوش پسر بابر کے تذکرے پر لڑکیوں کے استہزائی قبھقہ بھی گونجتا ہے۔ یہی وہ عوامل عادات اور روزمرہ ہے جو نئے زمانے کے پہنچ جانے کے بگل، بجا رہا ہے:

"اصغری: فضیلت تم نادان ہو۔ تم نے خود کہا کہ جو سب سے بڑا حکم ہو اور سب پر حکم چلائے وہ بادشاہ ہوتا ہے اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تو انگریز بادشاہ ہوئے یا نہ ہوئے؟

فضیلت: ہائے! ہوئے تو سہی۔

اصغری: اچھا اب یہ بتاؤ ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت: انگریز " (7)

نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں ہندوستان میں آباد درمیانے طبقے کے مسلمان خاندانوں کی معاشرتی زندگی کو پیش کیا ہے۔ غدر نے ان لوگوں کو خطِ غربت سے نیچے دھکیل دیا۔ تخت لٹنے اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے معزول ہونے کے بعد ان بہت سارے لوگوں کے ہاتھوں سے سب کچھ نکل گیا اور یہ وجود اور شناخت غرض ہر طرح کے بحرانوں کا شکار ہو گئے۔ مسلمانوں کے ہزار سالہ اقتدار کے ایسے خوفناک اور مایوس کن اختتام نے ان لوگوں کو نفسیاتی طور پر بہت زیادہ متاثر کیا اور یہ سب بے دلی اور یاسیت پرستی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ اس بظاہر بدترین منظر نامے نے ان کی داخلی حساسیت کو مزید جلا بخشی اور یہ نئے طریقے اور جوش سے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو از سر نو بحال کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے معاشی تہذیبی ثقافتی غرض زندگی کے تمام مظاہر پر بری حالت کے باوجود مذہبی اعتقادات، روایتی نفاست، خاندانی شرافت، باہمی روابط، تقدیر پرستی، عیش پسندی، سستی اور عیش کوشی کی عادات کو نئے نئے طریقوں سے اپنانے کی کوشش کی۔ اس سارے رد عمل میں ان کے درمیان عجیب سطح پر بے عملی اور انفعالیات نے جگہ بنالی۔ یہی اور اسی طرح کی نفسیاتی کیفیات کو نذیر احمد نے اپنے قصے کہانیوں میں نثر کی خوبی کے ساتھ بیان کیا اور یوں نذیر احمد کا یہ ادب مسلمانوں کے عبوری دور کا نمائندہ اور ترجمان بن گیا۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول اپنے عہد کی حقیقت کا اظہار اور اس مجموعی صورت حال کا رزمیہ بن کر اردو ناول کے ابتدائی نقوش کی صورت روایت کا اہم حصہ بن گئے۔

ڈاکٹر مظفر عباس نے اپنے تحقیقی مفروضہ کی مدد سے ابن الوقت کی مرکزی خصوصیات کو ان پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

اپنے عہد کی کشمکش کا تجزیہ

تاریخی شعور کے اعتبار سے معاشرتی مسائل کی وجوہات اور ان کا حل

سوانحی عناصر کے پس منظر میں روایت پرستی کا تجزیاتی مطالعہ

مذہبی نقطہ نظر کا تحلیلی مطالعہ اور ایک واضح نقطہ نظر

مستقبل کے امکانات اور مسلمانوں کے لائحہ عمل کا تعین" (8)

ڈاکٹر مظفر عباس نے اپنے تجزیاتی مطالعہ سے نذیر احمد کے اہم ناول ابن الوقت کو قاری کے سامنے واضح کر کے بیان کیا ہے۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد محض اپنے عہد کے حقیقت پسندانہ تصویر کشی نہیں کر رہے بلکہ اس سارے عمل کے پس منظر میں بہت اہم نکات شامل ہیں۔ یہ ایسے عناصر ہیں جن کا تعلق ہندوستان میں مسلم افراد اور اجتماع کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ساتھ براہ راست ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے اطراف پھیلی حیات کے متحرک اور فعال کردار تخلیق نہیں کیے بلکہ اس نے اپنے زمانے کی مجموعی سماجی صورت حال کا تجزیہ کیا ہے۔ ایسا تجزیہ جو تاریخی شعور کی معاونت سے مسلمانوں کو درپیش سنجیدہ سیاسی سماجی معاشی مسائل کے حل کے لیے راہیں تجویز کرتا ہے۔ یہ تحریریں کرداروں کی مدد سے سوانحی مواد کے پس منظر میں جانے اور غور و خوض کرنے سے ہندوستان میں مسلم تہذیب کی روایت کے تجزیہ اور تفہیم کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے

ناول اپنے تئیں انگریز استعمار کے ہاتھوں مسلمانوں کی دینی شناخت کو لاحق خطرات کی نشاندہی کر رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کوشش صرف تجزیہ اور تفہیم کی کوشش تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کی مدد سے مسلمانوں کے مستقبل کو تلاش کیا جاسکتا ہے اور اپنے مستقبل کو محفوظ اور مفید بنانے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔

نذیر احمد کی خوبی ہے کہ اس نے اپنے ناول میں ہندوستان میں مسلمان معاشرت کو زندگی کے واضح اعلانات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے قصوں میں زندگی اپنے راست اور واضح، طے شدہ مشرقی روایت، مشرقی فکر و خیال اور مشرقی اقدار کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس کے علاوہ نذیر احمد تہذیبی اقداری بندشوں ناقابل عمل اخلاقی روایات اور بناوٹ سے بھرے رواجوں کی بہتری اور اصلاح کے لیے بھی متحرک رہے۔ سرسید احمد خان سے ڈپٹی نذیر احمد جزوی فاصلے پر چلتے رہے مگر دلائل و عقل کے میدان میں وہ علی گڑھ تحریک کے ہمنواؤں میں شامل رہے اور چونکہ سرسید کی خواہش تھی کہ ہندوستانی مسلم معاشرتی تقاعلیں مغربی عقل پرستی، سائنسی اعتقاد اور تصوف سے دوری ایسے عوامل اختیار کیے جائیں تو اسی پس منظر میں نذیر نے دہلی کالج سے مستفید ہوتے ہوئے متفرق محاذوں پر دراصل سرسید کی فکر کو ہی فروغ دینے کی کوشش کی۔ اسی مجموعی تعامل میں سرسید کا انگریزوں سے دوستانہ تعلقات کو استوار کرنے پر زور دینا اور یہاں تک کہ ان کی نوآبادیاتی حاکمیت کو قبول کرتے ہوئے، حکومت کی کامیابی میں انگریز استعمار کی معاونت جیسے عوامل بھی شامل تھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

"نذیر احمد نے سرسید کے اس مشن کو فروغ دینے کے لیے ناول کو ذریعہ اظہار بنایا۔ ان کے فن کی تمام تر اساس اجتماعی مقصدیت پر قائم ہے۔۔۔ نذیر احمد نے متوسط طبقے کی خانگی اور معاشرتی زندگی کے مرقعوں کی جزئیات کو بڑے حقیقت پسندانہ طریقے سے موضوع بنایا ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنے ہر ناول کی بنیاد کسی نہ کسی معاشرتی تمدنی یا مذہبی مسئلے پر رکھتے ہیں۔ ان کے ناول ابھرتے ہوئے متوسط طبقے کی زندگی کے مختلف مسائل اور بدلتے ہوئے رد عمل کو سامنے لاتے ہیں۔" (9)

نذیر احمد کی شخصیت کو سامنے رکھا جائے تو یہ سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نذیر احمد اپنی مجموعی شخصی ترکیب میں مذہبی انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر نگاری اور بالخصوص ان کے ناول انسانی احساس اور انسان کی سیاسی سماجی معاشی معاشرتی رویوں سے بھرپور ہیں۔ وہ بحیثیت مصنف ہندوستان میں مسلم تہذیب کی سماجی اخلاقی تہذیبی مذہبی غرض ہر حوالے سے اصلاح احوال کے متقاضی تھے اور اس کے لیے انہوں نے مقدور بھر کوشش بھی کی۔ ان کے ناولوں میں پیش کردہ کردار اپنے ہی معاشرے میں رہتے ہوئے ماضی کے رویوں اور عادات و اطوار سے نالاں ہوتے ہیں اور جدید زندگی کے رنگ ڈھنگ اختیار کرتے ہیں۔ نذیر احمد کو کسی سطح پر انگریز استعمار اور ان کے استعمار شکنجے سے کوئی پریشانی نہیں ہے بلکہ سرسید کی طرح وہ اپنے معاشرے اور اپنے اطراف موجود کرداروں کو مغربی تہذیب کا لباس پہنانے پر بضد ہیں:

"ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کا مرکزی مقصد چونکہ معاشرتی اصلاح ہے اس لیے ان کا معاشرتی عصری شعور کا دائرہ کار بھی اپنے مقصد کے گرد گھومتا ہے۔ ان کا مزاج تبلیغی اصلاحی اور مقصدیت سے مملو ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے قصہ نویس ہیں جنہوں نے ایک خاص معاشرے کی سیاسی معاشرتی معاشی اور اخلاقی زندگی کا غور سے مطالعہ کر کے اور اس زندگی کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی پیدا کر کے اس کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔" (10)

ہم اس مجموعی گفتگو کو اختتام کی طرف لے کر جائیں تو ہمیں ڈپٹی نذیر احمد کی زندگی اور طرز فکر کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ نذیر احمد مسلمانوں کے دور حکومت کی کامیابی اور فتوحات سے آگاہ تھے اور پھر انہوں نے انگریزی استعمار کے ہاتھوں اس عمارت کو زمین بوس ہوتے بھی دیکھا۔ اس لیے ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی ترقی کا داز حکومت تک رسائی حاصل کرنے میں ہے لیکن جس اتر حالت سے مسلمان گذر رہے تھے اس میں طاقت کا حاصل کرنا سوائے ایک سہانے خواب کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ڈپٹی نذیر احمد اردو ادب کی روایت میں زندہ باب کے طور پر اس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک ہندوستان پاکستان بنگلہ دیش میں مسلمان ایک اجتماعی شناخت کے طور پر زندہ ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کی خوبی اپنے عہد کی مبادیات کو تشخیص کرتے ہوئے ادبی دستاویز کی صورت میں ان کرداروں کو پھر سے زندہ کرنا اور زندگی سے متعلق کرنا ہے جو کردار طویل عرصے تک زندہ رہنے اور حکومت کرنے کے بعد تیزی سے اطراف سے لاتعلق ہوتے جا رہے تھے۔ نذیر احمد نے زوال پذیر مسلمانوں کو نئے انسانی حقائق کے ساتھ بیان کیا۔ نذیر احمد کا کمال اردو ادب کی صورت میں مسلم تہذیب کے ایک خاص باب کو رقم کرنا ہے اور اپنی اسی قابلیت کی بنیاد پر ڈپٹی نذیر احمد اردو ادب کا ایک لازوال کردار بن زندہ رہیں گے۔

حوالہ جات

1. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اول (دہلی: امیجو کیشنل پبلسٹنگ ہاؤس، 1989ء)، 432۔
2. احسن فاروقی، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ (لکھنؤ۔ ادارہ فروغ اردو، 1962ء)، 10۔
3. عمران شاہد بھنڈر، فلسفہ اور سامراجی دہشت (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2010ء)، 60۔
4. مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر۔ داستان سے ناول تک (لاہور: گوہر پبلی کیشنز، 2007ء)، 76۔
5. شمس الرحمن فاروقی، تعبیر کی شرح (کراچی: اکادمی بازیافت، 2004ء)، 77۔
6. وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک (لاہور: الو قار پبلی کیشنز، 2007ء)، 62۔

7. نذیر احمد، ڈپٹی، مرآة العروس (لاہور: خزینہ علم و ادب، 2005ء)، 169۔
8. مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر، 77، 78۔
9. خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول (لاہور: فکشن ہاؤس، 2005ء)، 9۔
10. وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، 63۔

References in Roman Script

1. Jameel Jalibi, Dr., Tareekh-e-Adab-e-Urdu, Jild Awwal (Dehli: Educational Publishing House, 1989), 432.
2. Ahsan Farooqi, Urdu Novel ki Tanqeedi Tareekh (Lucknow: Idara Farogh-e-Urdu, 1962), 10.
3. Imran Shahid Bhandar, Falsafa aur Samraaji Dehshat (Karachi: City Book Point, 2010), 60.
4. Muzaffar Abbas, Dr., Urdu Novel ka Safar-Dastaan se Novel tak (Lahore: Gohar Publications, 2007), 76.
5. Shams ur Rahman Farooqi, Tabeer ki Sharah (Karachi: Academy Bazyaft, 2004), 77.
6. Waqar Azeem, Syed, Dastaan se Afsane tak (Lahore: Al-Waqar Publications, 2007), 62.
7. Nazir Ahmad, Deputy, Mirat-ul-Uroos (Lahore: Khazina Ilm-o-Adab, 2005), 169.
8. Muzaffar Abbas, Dr., Urdu Novel ka Safar, 77–78.
9. Khalid Ashraf, Dr., Bar-e-Sagheer mein Urdu Novel Lahore: Fiction House, 2005), 9.
10. Waqar Azeem, Syed, Dastaan se Afsane tak, 63.